1

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أفراح الرّوح

روحانی مسرتیں

تالیف : الاستاذ سید قطب شهید رحمہ اللہ

تقدیم وعناوین : استاذ صلاح عبدالفتاح الخالدی حفظہ اللہ

اردو ترجمہ: مدثر احمد لودھی حفظہ اللہ

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

http://www.muwahideen.tk

info@muwahideen.tk

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افسانہ افکار وخیالات ''روحانی مسرتیں''

سید قطب رحمہ اللہ وزارت تعلیم کی جانب سے مناہج تعلیم وتربیت سے آگاہی کی خاطر ایک وفد میں شامل ہوکر امریکہ میں 2 سال 1948 / 11 / 3 تا 1950 / 8 / 20 قیام پذیر رہے اس عرصہ میں وہ اپنے بہن بھائی، ادارہ تعلیم اور اپنے دوستوں کو مصر وغیرہ میں خطوط لکھتے رہے جن میں زندگی سے متعلق اپنے افکار وخیالات کا تذکرہ بھی کرتے یہ بعض ادبی رسائل میں اپنے بعض مقالات بھی چھپواتے رہتے تھے۔ مثلاً مجلّہ ''الکتاب''، جس کے ایڈیٹر ادیب ''عادل الغضبان'' تھے جو سید صاحب رحمہ اللہ سے بغرض اشاعت ادبی شہ پاروں کا تقاضا کرتے تھے لیکن وہ امریکہ میں ہونے کی وجہ سے ادبی مقالات تحریر کرنے سے کنارہ کش تھے چنانچہ اقرباء واحباب کو لکھے گئے اپنے خطوط کو قارئین کے لئے مفید خیال کر کے ان کے کچھ حصے منتخب کر کے استاد عادل الغضبان کو روانہ کئے لیکن انہوں نے شائع نہ کئے اور جب سید صاحب واپس تشریف لائے تو ایک پیکٹ کی صورت میں یہ تمام شہہ پارے انہیں اسی طرح واپس کر دیئے۔ سید قطب اپریل 1951ء مجلّہ الکتاب کے شمارے میں شائع اپنے مقالے ''فی الادب والحیاۃ''، میں رقمطراز ہیں: ''دو سال جب میں امریکہ میں وطن سے دور تھا میرے دل میں ایسے خیالات پیدا ہوتے رہے جنہیں شاذ ونادر ہی میں ضبط تحریر میں لا سکتا تھا............لیکن شوق تحریر اس عرصہ میں بھی مجھ سے جدا نہ ہو سکا میں مصر و دیگر بلاد عرب اور فرانس وغیرہ میں اپنے بھائی، بہنوں اور دوستوں کو خطوط لکھتا رہا جن میں انہیں وہی باتیں لکھتا جو اپنی مختلف کتابوں میں لوگوں کے لئے لکھا کرتا...... بسا اوقات

مجھے یہ خیال آتا کہ یہ خطوط جنہیں بغرض اشاعت نہیں لکھا گیا بلکہ اس وقت کے چند حقیقی اور واقعی مقاصد کے لئے لکھا گیا اس مواد سے زیادہ اشاعت کا مستحق ہے جو بغرض اشاعت لکھا جاتا ہے ...... چنانچہ اس کا ایک حصہ منتخب کر کے استاذ ادیب کبیر عادل الغضبان کو روانہ کر دیا جو مجھ سے اپنے مجلّے کے لئے تحریر کا تقاضا کرتے رہتے تھے ...... پھر مصر واپسی پر جب ہماری ملاقات ہوئی تو انہوں نے میرے لکھے ہوئے اوراق مجھے واپس کرتے ہوئے کہا کہ: ''میں آپ کی وجہ سے انہیں شائع کرنا چاہتا تھا لیکن مجھے یہ خوف بھی تھا کہ آپ کے قارئین اس کے بعد آپ سے مایوس نہ ہو جائیں چنانچہ مجھے آپ کے خطوط میں سے چند چیزوں کا انتخاب کرنا پڑا''۔

سید صاحب نے اپنا مقالہ ''فی الادب والحیاۃ'' مندرجہ ذیل خطوط سے منتخب کر کے لکھا ہے:

① اپنی بہن حمیدہ کی ایک خط۔

② ایک تنگ دل دوست کی طرف ایک خط۔

③ لوگوں سے الگ تھلگ رہنے والے ایک دوسرے دوست کی طرف ایک خط۔

④ اپنے ایک تیسرے دوست کی طرف ایک خط سے جس میں اس پر یہ واضح کیا کہ ضروری نہیں کہ مقصد کا جائز ہونا حصول مقصد کے لئے اختیار کردہ طریق کو بھی جائز کر دے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب نے عادل غضبان سے مذکورہ خطوط لے کر اپنے گھر میں محفوظ کر دیئے پھر جب ۵۰ کی دھائی میں جیل جانا پڑا یہ خطوط کے مجلّہ ''الفکر'' کے لئے روانہ کر دیئے جس کے چھٹے ایڈیشن 1959ء مارچ میں ''دُور کی روشن کرنیں'' کے عنوان سے ''مجلۃ الکتاب'' فروری 1950ء کے لئے ایک مقالہ لکھا تھا لیکن ان کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ الدارالعلمیہ بیروت نے 1971ء میں ان خطوط کو ایک کتابچے کی صورت میں ''روحانی مسرتیں'' کے عنوان سے پھر شائع کر دیا اس عنوان کے متعلق بھی میں اسی طرح لاعلم ہوں پھر یہ خطوط اسی نئے عنوان کے تحت متعدد بار شائع ہوتے رہے اور قارئین نے انہیں خوب پسند بھی کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے سید قطب نے اپنے ۷ ذاتی خطوط میں سے

انتخابات کئے تھے جن میں سے چھ کے انتخابات اپنے مقالے ''فی الادب والحیاۃ'' میں شائع کردیئے باقی کے متعلق ہمیں کچھ علم نہیں ہوسکا اسی ذریعے سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوسکا کہ یہ کتابچہ وہ خط نہیں جو انہوں نے اپنی بہن امینہ کو لکھا بلکہ ان سترہ خطوط سے منتخب شدہ ہیں جنہیں انہوں نے امریکہ میں اپنے دوستوں اور بہن بھائیوں کو لکھا اور ''روحانی مسرتیں'' یہ عنوان بھی سید قطب کا نہیں بلکہ الدارالعلمیہ کا قائم کردہ ہے ہماری ان باتوں کا مقصد محض اتنا ہے کہ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ اصل حقائق پردہ اخفاء میں نہ رہ جائیں اور جب عامرہ کے ''دار عمار'' نے اس کتابچے کو شائع کرنا چاہا تو استاذ عصام فارس حفظہ اللہ نے مجھ سے نظر ثانی اور مقدمہ لکھنے کا تقاضا کیا چنانچہ میں نے اس میں بعض عبارات اور جملوں کو ضبط میں لانے اور انہیں شکل دینے اور منتخب شدہ خطوط کے عناوین قائم کرنے اور ان کا مقدمہ لکھنے کی اپنی سی سعی کی ہے اللہ تعالیٰ اسے میرے لئے باعث اجر وثواب اور لوگوں کے لئے باعث نفع بنائے۔ آمین

صلاح الدین الخالدی حفظہ اللہ

بروز منگل 2002/1/15 بمطابق 1422/11/1 ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمشیرہ عزیزہ...... [یہ خط حمیدہ کی طرف ہے نہ کہ امینہ کی طرف جیسا کہ بعض حضرات کا خیال ہے کیونکہ اپنی دیگر بہنوں کی بہ نسبت حمیدہ موت کے متعلق زیادہ سوچا کرتی تھی] یہ افکار پیش خدمت ہیں۔

زندگی اور موت کے متعلق

آپ ہمیشہ موت کے متعلق سوچتی ہیں ہر جگہ اس کا تصور کرتی ہیں اور اسے ایسا قوی سرکش بادل گمان کرتی ہیں جو ہمہ وقت زندگی اور زندوں پر سایہ فگن رہتا ہے اور اس کے مقابلے میں زندگی کو حقیر، شیفتہ اور موت سے خوفزدہ خیال کرتی ہیں جبکہ میں موت کو شادماں، بھرپور اور موت کی پرواہ نہ کرنے والی زندگی کے مقابلے میں ایک حقیر اور کمزور لمحہ گمان کرتا ہوں جو اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتی کہ زندگی کے دسترخوان سے ایک گرا ہوا لقمہ اٹھا کر چپا ڈالے۔ زندگی کے مناظر میرے اردگرد بکھرے پڑے ہیں ہر شئے نمو پذیر ہے ارتقاء کے عمل سے گزر رہی ہے مائیں گابھن ہوتی ہیں جن دیتی ہیں انسان اور جانور برابر ہیں پرندے مچھلیاں حشرات انڈے دیتے ہیں جو زندوں اور زندگی کے ساتھ پھٹ پڑتے ہیں زمین نباتات اگاتی ہے آسمان مینہ برساتا ہے سمندر موج مارتا ہے اس سرزمین پر ہر شئے نمو پذیر ہے بڑھ رہی ہے۔

ایک لمحے سے دوسرے لمحے (دوبارہ زندگی) کے درمیان موت آتی اپنا پنجہ مارتی پھر چلی جاتی یا پھر غراتی رہتی ہے تاکہ زندگی کے دسترخوان سے چند گرے پڑے لقمے چاٹ لے جبکہ زندگی اپنی راہ پر گامزن رہتی ہے زندہ پھیلی ہوئی اور تیز تر موت کا احساس تک نہیں کرتی۔

صرف اس لمحے تکلیف سے چیخ اٹھتی ہے جب موت اس کا جسم نوچتی ہے لیکن یہ زخم بہت جلد مندمل

ہوجاتا ہے اور تکلیف بھی تیزی سے راحت میں بدل جاتی ہے انسان ،جانور،پرندے ،مچھلیاں،کیڑے،حشرات،گھاس،پھوس ،درخت ،روئے زمین کو زندگی اور زندوں سے ڈھانپتے رہتے ہیں اورموت دورکھڑی غراتی رہتی ہے آتی ہے نوچتی ہے چلی جاتی ہے یا زندگی کے دسترخوان کے چندگرے ہوئے خوشے چن لیتی ہے سورج طلوع وغروب ہوتا ہے زمین اس کے گرد گھومتی ہے زندگی اِدھر اُدھر پھوٹتی رہتی ہے ہر شئے نمو پذیر ہے تعداد میں اقسام میں کمیت وکیفیت میں اگر موت کچھ کرپاتی تو زندگی کے مقابل کھڑی ہوجاتی بہرحال وہ شادماں بھرپور اور موت کی پرواہ نہ کرنے والی زندگی کے مقابلے میں حقیر وناتواں ہے۔اللہ زندہ وبرتر کی قوت سے زندگی پھلتی اور پھولتی رہتی ہے۔[مقالہ ''فی الادب والحیاۃ'' مجلّہ ''الکتاب'' چوتھا شمارہ اپریل 1951ء ص 191-192]

ہم اپنی زندگی دوچند کیسے کریں؟

جب ہم صرف اپنے لئے جیتے ہیں تو زندگی ہمیں بہت چھوٹی اور لاغر محسوس ہوتی ہے وہیں سے شروع ہوتی ہے جہاں سے ہم شروع کریں اور ہماری محدود عمر کے ساتھ ہی ختم ہوجاتی ہے اور جب ہم اوروں کے لئے جیئیں یعنی نظریاتی زندگی گزاریں تو زندگی بہت طویل اور عمیق ہوجاتی ہے اس کی ابتداء وہاں سے ہوتی ہے جہاں سے انسانیت کی ابتداء ہے اور روئے زمین سے ہمارے الگ ہوجانے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اس طرح ہم اپنی ضروری زندگی کو مفید بنالیتے ہیں اور افادیت بھی حقیقی نہ کہ موہومہ اس طرز کی زندگی ہمارے ایام ولمحات کے متعلق ہمارے شعور کو جلا بخشتی ہے زندگی سالوں کی گنتی کا نام نہیں بلکہ احساسات کا نام ہے اسی حالت میں حقیقت پسند اسے وہم قرار نہیں دے سکتے یہ دراصل حقیقت ہے تمام حقائق سے صحیح تر حقیقت کیونکہ زندگی انسان کی زندگی سے متعلق شعور سے کوئی الگ شئے نہیں حقیقی معنوں میں جب انسان زندگی کو اپنی ذات تک محدود سمجھے تو اس کی زندگی ہر طرح کے شعور سے بھی

خالی ہوتی ہے اور جب انسان اپنی زندگی کو شعوری طور پر بڑھانا چاہتا ہے تو عملاً بھی باشعور زندگی گزارتا ہے مجھے تو یہ سمجھ آتی ہے کہ یہ مسئلہ اتنا واضح ہے کہ دلیل کا محتاج نہیں ہم اپنے لئے تو بھرپور زندگی جیتے ہیں جب ہم دوسروں کے لئے جیئیں اور دوسروں اور اپنے متعلق زندگی کا احساس کہ میں اس طرح ہم اس زندگی کو نہایت بھرپور بنا سکتے ہیں اور بڑھا سکتے ہیں۔

شجرہ خیر اور شجرہ شر کے مابین

شر کا بیج سوکھا رہتا ہے جبکہ خیر کا بیج پھلدار ہوتا ہے پہلا فضاء میں بڑی تیزی سے چڑھتا ہے لیکن اس کا تنا زمین میں بہت کم ہوتا ہے تا کہ شجرہ خیر سے روشنی اور ہوا روک سکے لیکن شجرہ خیر ہمیشہ پھلتا پھولتا رہتا ہے کیونکہ اس کا تنا زمین میں بہت گہرا ہوتا ہے یہی چیز اس کے لئے حرارت اور ھواء کا متبادل ثابت ہوتی ہے اس کے باوجود ہم شجرہ شر کے ان جھوٹے اور ناپائیدار اوصاف سے صرف نظر کرتے ہوئے اس کی حقیقی قوت وصلاحیت کے متعلق تحقیق کریں تو ہم پر عیاں ہو جائے گا کہ یہ کمزور، جھڑا ہوا اور ناپائیدار ہوتا ہے......! جس وقت شجرہ خیر آفات پر صبر وثبات کا مظاہرہ کر رہا ہوتا ہے مسلسل نمو پا رہا ہوتا ہے شجرہ شر کانٹوں کی محفل سجا رہا ہوتا ہے۔

لوگوں میں بہتر جانب کی تلاش کے نتائج

جب ہم لوگوں کے نفوس میں بہتر جانب تلاش کریں تو ہمیں یہاں خیر ہی خیر نظر آتی ہے جسے آنکھیں پہلی جھپکی میں نہیں دیکھ پاتیں میں اس کا بارہا اور بہت سے لوگوں کے ساتھ تجربہ کر چکا ہوں حتی کہ ان لوگوں کے ساتھ بھی جو پہلی مرتبہ میں شریر معلوم ہوتے ہیں یا شعور وادراک سے بالکل کورے۔ ان کی غلطیوں اور حماقتوں پر کچھ تو نہ نرمی آتی ہے کچھ ان کے لئے حقیقی نہ کہ بناوٹی محبت پھر کچھ عنایت ان کے

ارادوں اورمقاصد کے لئے پھر آپ کے سامنے ان کے نفوس میں خیر کا پہلو جاگزیں ہوتا ہے پھر وہ بھی آپ کو اپنی محبت ومودت اوراعتماد دیتے ہیں اس تھوڑی سی مہربانی کے بدلے میں جو آپ نے انہیں دی لیکن صدق وصفائی اوراخلاص کے ساتھ۔شر انسان کے نفس میں اس قدر گہرا نہیں جتنا ہم بسا اوقات تصور کر بیٹھتے ہیں یہ اس سخت چھلکے میں رہتا ہے جس کے ساتھ لوگ زندہ رہنے کی جدوجہد کرتے ہیں پھر اگر وہ مامون ہیں تو یہی سخت چھلکا ان کے لئے من پسند شیریں پھل لاتا ہے یہ میٹھا پھل اس لئے ظاہر ہوتا ہے جو لوگوں کو اپنی جانب سے بے خوف رکھے انہیں اپنی محبت کا یقین دلائے ان کی مشقتوں ،تکالیف،غلطیوں اورحماقتوں پر نرمی سے کام لے اپنا سینہ وسیع کرلے اس سب کا کفیل بن جائے لوگوں سے ان کی توقعات سے زیادہ قریب ہوجائے ......میں اس کا تجربہ کرچکا ہوں خود اپنی ذات کے ساتھ صرف اسے محض چند جملے قرار نہیں دیتا جو افکاروخیالات کا شاخسانہ ہوں۔[امریکا سے اپنے ایک تنگ دل دوست کی طرف خط۔مقالہ ''فی الادب والحیاۃ''مجلّہ ''الکتاب''اپریل 1951ء ص392]

دوستوں سے ہماری محبت کے آثاروںنتائج

جب ہمارے دل میں محبت ونرمی اورخیر کے جذبات جنم لیں گے ہم اپنے لفظوں کو بہت سی تھکاوٹوں اور مشقتوں سے نجات دے دیں گے ہمیں ایسی کوئی ضرورت نہیں پڑے گی کہ لوگوں کی چاپلوسی کرتے پھریں کیونکہ ہم سچے اورمخلص ہوں گے کہ ہم ان کی جھوٹی تعریفیں کریں ہم ان کے دلوں میں اپنے لئے خیر کے جذبات پیدا کرلیں گے ان کے بہتر سلوک کا سامنا کریں گے ان کے تعریف میں سچے ہوں گے انسان میں خیر اوراچھائی کی وہ جانب جو اسے بہترین گفتگو کا اہل بنادے اس وقت تک ظاہر نہیں ہوتا جب تک کہ ہمارے دلوں میں محبت کا بیج نہ پڑ جائے......

ایسے ہی ہمیں لوگوں سے تنگ دل ہونے کی بھی ضرورت نہ رہے گی نہ ان کی غلطیوں اورحماقتوں پر صبر

کرنے کی کیونکہ کمزور اور نقص کے مقامات پر ہم درگزر کریں گے اس کی ٹوہ میں نہیں لگیں گے جبکہ ہمارے دل میں نرمی کا جذبہ جاگزیں ہو ان سے کینہ بھی نہیں رکھیں گے ان سے بچ کر بھی نہیں رہیں گے ہم دوسروں سے کینہ رکھتے ہی اس لئے ہیں کہ ہمارے نفوس میں خیر کا بیج نمو نہیں پاتا ہم ان سے خوفزدہ اس لئے ہوتے ہیں کیونکہ ہم میں خیر کا مادہ کم ہوتا ہے ہم اپنے نفس کو کس قدر مطمئن اور شاداں وفرحاں کر دیتے ہیں جب دوسروں سے نرمی کرتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں انہیں اعتماد میں لیتے ہیں جب ہمارے دلوں میں محبت نرمی اور خیر کا بیج نمو پاتا ہے۔

حقیقی عظمت کا راستہ

جب لوگوں سے اس لئے الگ رہیں کہ ہم خود کو ان سے زیادہ پاک سمجھیں روحانی اور قلبی اعتبار سے یا ان سے زیادہ وسیع النفس اور عقل کُل سمجھیں تو ہم نے کیا تیر مار لیا اس طرح تو ہم نے اپنے لئے آسان اور صاف ستھرا راستہ چن لیا۔

حقیقی عظمت یہ ہے کہ ہم لوگوں سے میل جول رکھیں ان سے نرمی برتیں ان کی کمزوری و نقص اور غلطیوں سے درگزر کریں حقیقی عظمت یہ ہے کہ ہم ان کی تطہیر کریں انہیں مہذب بنائیں انہیں حتی المقدور اپنے برابر لا کھڑا کریں اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ ہم اپنے بلند مراتب سے معزول ہو جائیں اور ان لوگوں کی چاپلوسی کرنے لگیں ان کی کمزوریوں پر بھی ان کی تعریفیں کریں یا خود کو ان سے برتر سمجھیں نہیں بلکہ ان تفادات میں موافقت پیدا کرنا اور اس موافقت کے لئے درکار مشقت کے لئے خود دکو تیار کر لینا ہی حقیقی عظمت ہے [ایضاً ص 393]

دوسروں کی محنت کا اعتراف کرنا

جب ہم کسی قدر بااختیار ہوجائیں تو اس میں کچھ حرج محسوس نہیں کریں گے کہ دوسروں سے اپنے لئے کام لیں یہاں تک کہ اپنے ماتحتوں سے بھی اس سے ہماری قدر میں فرق نہیں آئے گا کہ ہم اپنے لئے دوسروں کی مدد حاصل کریں ہم نے اس مقام تک پہنچنے کے لئے سخت محنت کی ہے ہم اپنے نفس کے ساتھ سب کچھ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے لئے کسی اور کا تعاون لینے سے یا مشقت میں ان کا ہاتھ بٹانے سے ناک بھوں چڑھاتے ہیں ہم لوگوں کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ اگر ہم ان کے ساتھ ہاتھ بٹائیں تو اس سے ہمارے مقام میں کمی آجائے گی دراصل ہم یہ سب اس وقت کرتے ہیں جب ہمیں خود اپنے آپ پر اعتماد نہ ہو ہم کسی بھی پہلو میں عملی طور پر کمزور ہوں......البتہ جب ہم حقیقی طور پر قوی اور بااختیار ہوں تو ایسا کچھ نہیں سوچتے۔ بچہ وہ ہوتا ہے جو آپ کا ہاتھ جھٹرک دے جب آپ اُسے سہارا دینے کی کوشش کریں اور وہ خود سے چلنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب ہم کسی قدر بااختیار ہوجائیں تو ہمیں بخوشی اور شکریے کے ساتھ دوسروں کے تعاون کو قبول کرنا چاہیے شکریہ اس لئے کہ وہ ہماری مدد کر رہا ہے خوشی اس لئے کہ کوئی ایسا بھی ہے جو ہمارے ساتھ محنت اور تھکاوٹ میں شریک ہے شعوری ہم آہنگی کی خوشی ہی آزاد اور مقدس خوشی ہے۔

افکار پھیلنے کی خوشی

جب ہم اپنے افکار ونظریات ذخیرہ کرلیں اور اس بات پر ناراض ہوں کے دوسرے لوگ آپس میں تقسیم کرلیں اور ہم پوری کوشش کریں یہ ہماری ہی طرف منسوب رہیں اور کوئی دوسرا اسے ہرگز اپنی طرف منسوب نہ کرے ہم یہ سب اس وقت کرتے ہیں جب ہمیں ان افکار ونظریات پر مکمل اعتماد نہ ہو جب وہ

ہمارے خیالات کی تخلیق نہ ہوں جیسے ہمارے چاہے بناہی وجود میں آ گئے ہوں جب وہ ہمیں اپنی ذات سے بڑھ کر وجود میں آ گئے ہوں جب وہ ہمیں اپنی ذات سے بڑھ کر محبوب نہ ہوں پاکیزہ خوشی اس مزاج کا ثمرہ ہے کہ ہم اپنے افکار ونظریات کو دوسروں کی ملکیت سمجھیں اس کے بعد ہم زندہ رہ پائیں گے ہمارا صرف اتنا تصور کہ یہ بالآخر دوسروں کی ملکیت بن جائیں گے" اگرچہ ہمارے روئے زمین سے جدا ہونے کے بعد ہی سہی'' یہی کافی ہے کہ ہمارا دل راضی ومطمئن ہے۔

تاجر حضرات تجارتی تعلقات کے بڑے حریص ہوتے ہیں تاکہ ان کے مال میں دوسرے خیانت نہ کرسکیں ان کا نفع نہ اُڑا سکیں جبکہ مفکروں اور حاملین نظریات کے لئے باعث سعادت بات یہ ہے کہ وہ لوگوں میں اپنے افکار ونظریات تقسیم کرتے ہیں اور لوگوں کو اس حد تک بے خوف کردیتے ہیں کہ وہ انہیں خود اپنی طرف منسوب کرنے لگیں نہ کہ ان کے پہلے مستحقین کی طرف ان کا یہ نظریہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ ہی ان افکار ونظریات کے بانی ہیں اور وہ ہی ان کی نقل وترجمانی میں ڈاکیا ہیں بلکہ ان کا احساس یہ ہوتا ہے کہ جس چشمے سے وہ سیراب ہورہے ہیں وہ ان کا بنایا ہوا نہیں نہ ان کا کارنامہ ہے انہیں اصل اور مقدس خوشی اس بات پر ہوتی ہے کہ وہ اس چشمہ صافی تک پہنچ پائے۔

علم اور معرفت کے مابین فرق

حقائق کے فہم اور حقائق کے ادراک کے مابین بڑا فرق ہے اول الذکر علم ہے اور ثانی الذکر معرفہ اول الذکر میں ہم محض الفاظ ومعانی یا جزئی تجربات ونتائج تک رہتے ہیں جبکہ ثانی الذکر میں زندہ استجابات اور کلی ادراکات پر ہوتے ہیں مقدم الذکر میں معلومات ہم تک ہماری ذات سے خارج ہوتی ہیں یا ہماری عقول میں کسی گوشہ میں ہوتی ہیں مؤخر الذکر میں حقائق ہمارے خیالات سے تخلیق پاتے ہیں ان میں وہی خون جاری ہوتا ہے جو ہماری رگوں میں ہوتا ہے ان کی دھڑکن ہماری نبض کے ساتھ دھڑکتی

ہے۔

پہلے میں حرف کالم اور عنوانات ہوتے ہیں علم کا کالم اور اس کے تحت عنوانات مختلف خانے دین کا خانہ اس کے ماتحت عنوانات فصلیں اور ابواب فن کا خانہ اور اس کے تحت مناہج ور جحانات دوسرے میں ایک طاقت پائی جاتی ہے جو بڑی کائناتی طاقت سے متصل ہوتی ہے اور وہ چمکتا ہوا نقشہ ہوتا ہے جو اصل چشمہ فیضان تک لے جائے۔

معرفتوں کو یکجا کرنے میں طالب کی جستجو

ہمیں ہر چیز میں اسپیشلسٹ چاہیئے انسانی معرفتوں کی تمام اقسام میں یہ لوگ اپنے کارخانوں اور آفسوں کے ساتھ کنیسے اور عبادت گاہیں بنالیتے ہیں اور اپنی زندگیاں اس نوع کے لئے وقف کردیتے ہیں جس میں انہوں نے اسپیشلائزیشن کیا ہوتا ہے صرف قربانی کے جذبے سے نہیں بلکہ لذت حاصل کرنے کے لئے ....اس عابد کا جذبہ جو اپنی روح اپنے معبود کے لئے وقف کر کے بھی خوش رہتا ہو۔اس کے باوجود بھی ہمیں جاننا چاہیئے کہ یہ لوگ زندگی کے رخ کو سمجھ نہیں سکتے یا انسانیت کے لئے راہ متعین نہیں کرسکتے طالب ہمیشہ رہیں ہیں اور رہیں گے یہ بلند روحانی طاقتوں کے مالک ہوتے ہیں یہی اس مقدس مشعل کے حامل ہوتے ہیں جس کی حرارت سے معرفت کے تمام ذرات پگھل جاتے ہیں اور جس کی روشنی میں ضوء کرنے کا راستہ ظاہر ہو جاتا ہے ان تمام جزئیات سے لیس اس سامان کے ساتھ قوی یہی منزل تک بڑی تیزی سے لے جاتا ہے یہ طالبین ہی اپنی بصیرت سے علم ،فن ،عقیدہ وعمل میں متعدد المظاہر وحدت شاملہ کا ادراک کرسکتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کو بھی پست نہیں جانتے نہ ہی اس کے مستوی سے زیادہ فائق کرتے ہیں معمولی اور رذیل طالبیں اور ان کی وحدت ہے جو مختلف مظاہر والی قوتوں کے مابین تعارض کا اعتقاد رکھتے ہیں علم کے خلاف دین کے نام پر یا دین کے خلاف علم

کے نام پر جنگ کرتے ہیں فن کو عمل کے نام پر یا قوت مدافعت کو صوفیانہ عقیدے کے نام پر حقیر جانتے ہیں یہ اس لئے کہ وہ ان تمام قوتوں کا ادراک رکھتے ہیں جو دیگر قوتوں کے مجموعے سے الگ ہوں جو سب کی سب ایک ہی مصدر سے اور اس عالم پر پھیلی ہوئی بڑی قوت سے صادر ہیں [درست بات یہ ہے کہ قوت والا کہا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ ذات موصوفہ ہے نہ کہ کوئی صفت] لیکن بڑے طالبین اس وحدت کا ادراک رکھتے ہیں کیونکہ وہ اسی اصل منہج سے متصل ہوتے ہیں اسی سے فیضیاب ہوتے ہیں ۔وہ تاریخ انسانی میں بڑے ہی کم ہیں بلکہ نایاب ہیں پھر بھی کافی ہیں ....اس کائنات پر قوت مشرفہ [درست بات یہ ہے کہ اس کائنات کا طاقتور مدبر کہا جائے] یہی ہے جو انہیں ڈھاتی ہے پھر ضرورت کے مقررہ وقت پر انہیں بھیج دیتی ہے۔

اس عالَم میں معلوم اور مجہول

خوارق اور مجہول قوتوں کے متعلق مطلق اعتقاد رکھنا خطرہ ہے کیونکہ یہ خرافات کا پیش خیمہ ہے اور زندگی کو وہم میں ڈالتا ہے لیکن اس اعتقاد کا چھانٹ پھٹک کم خطرناک ہے کیونکہ یہ تمام مجہول کھڑکیاں بند کر دیتا ہے اور ہر اس قوت کا انکار کر دیتا ہے جو دکھائی نہ دے صرف اس لئے کہ وہ ہماری زندگی کے کسی دور میں وہ ہمارے ادراک بشری سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے اور اسی کے ذریعے اس عالم کی نسبت مسافت و طاقت اور ایسے ہی قیمت کو معمولی سمجھا جاتا ہے اور اسے معلوم کہا جاتا ہے اور جس لمحے کائنات کی عظمت کو ملاحظہ کیا جائے یہ انتہائی حقیر دکھائی دیتا ہے۔

زمین پر یہ انسانی زندگی کائناتی قوتوں کے ادراک سے عاجز آجانے کا ایک سلسلہ ہے یا ان قوتوں کے ادراک پر قادر ہونے کا ایک سلسلہ جبکہ اس بیڑی سے آزاد ہو جائے اور پیش قدمی کرے اپنے طویل سفر کے لئے انسان وقت گزرنے کے ساتھ ہی کسی ایک کائناتی قوت کے ادراک پر قادر ہوتا ہے جو ایک

عرصے سے اس کے لئے مجہول تھی اور کبھی اس کے ادراک سے ماوراء تھی یہ بات یقینی ہے کہ یہ اپنی بصیرت کھول لے اس بات کے لئے کہ کچھ ایسی قوتیں بھی ہیں جن کا یہ بعد میں بھی ادراک نہیں کرسکتا کیونکہ یہ ہمیشہ تجربہ کے ادوار میں رہے گا۔ عقل بشری کا یہ احترام ہے کہ ہم اپنی زندگی میں مجہول کا بھی حساب رکھیں نہ کہ اپنے اموراس کے سپرد کردیں جیسا کہ وہم وخرافات میں مبتلا افراد کرتے ہیں لیکن ہمیں اس کائنات کی حقیقی عظمت کا احساس کرنا چاہیئے اوراس وسیع کائنات میں اپنے نفس کی قدر کرنی چاہیئے یہ عادت انسانی روح کے لئے معرفت وشعور کی بہت سی قوتیں ظاہر کردے گی ان ٹہنیوں کے ذریعے جو ہمارے اندر سے ہمیں کائنات کے ساتھ مربوط کرتی ہیں اور یہ بلا شک وشبہ اس سب سے بڑھ کر ہے جس کا ادراک ہم اپنی عقلوں کے ذریعے کرتے ہیں حتیٰ کہ آج بھی اس دلیل کی بناپر کہ ہم روز ایک نئے مجہول کا سامنا کرتے ہیں۔

انسان اللہ سے مستغنی نہیں ہوسکتا

اس دور کے بعض لوگ انسان کی قدر ومنزلت گھٹاتے ہوئے اوراس عالم میں اپنی حالت کو دلیل بناتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عظمت مطلقہ کا اعتراف کرتے ہیں گویا اللہ اور انسان دو ایسی اضداد ہیں جو اس کائنات میں عظمت مطلقہ کے شعور میں جس قدر بڑھیں گے اپنی ذات کی عظمت میں بھی بڑھیں گے کیونکہ ہم عظیم معبود کی تخلیق ہیں۔ یہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ جب وہ اپنے گمان میں اپنے معبود کو پست کرتے ہیں یا اس کا انکار کرتے ہیں تو اپنے آپ کو برتر کررہے ہوتے ہیں یہ محدود سوچ والے ہیں یہ صرف ظاہر سطحی اور قریب کی چیز ہی دیکھ سکتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ جب انسان اللہ کی طرف لجاجت کرتا ہے تو اپنی کمزوری اور عاجزی کا اظہار کرتا ہے جبکہ دوسری صورت میں وہ خود کو قوی تصور کرتا ہے جو کسی معبود کا محتاج نہ ہو گویا کمزوری بصیرت کو جگاتی ہے جبکہ قدرت اسے ختم کردیتی ہے۔ انسان کے لائق

ہے کہ جب بھی اس کی قوت نمو پذیر ہو یہ اللہ کی عظمت کے احساس میں بڑھ جائے کیونکہ اس طرح یہ اس قوت کا مصدر کا ادراک کر سکے گا جب بھی اس ادراک پر اس کی قوت میں اضافہ ہوگا......اللہ کے عظمت پر ایمان رکھنے والے اپنے نفوس کو ضائع یا کمزور محسوس نہیں کرتے بلکہ اس کے برعکس اپنے نفوس میں عزت و بزرگی محسوس کرتے ہیں جب اس بڑی قوت (مناسب ہوتا اگر قوت والا کہا جاتا کیونکہ اللہ تعالیٰ موصوف ہے صفت نہیں) کا سہارا لیتے ہیں جو اس کائنات میں پھیلی ہوئی ہے وہ جانتے ہیں کہ ان کی عظمت اس زمین تک اور اس کے باشندوں تک محدود ہے جو اس کائنات میں اللہ کی عظمت مطلقہ سے متصادم نہیں ان کے ایمان عمیق میں عظمت وعزت کا ایک بیلنس ہوتا ہے جسے یہ لوگ نہیں سمجھ سکتے جو غباروں میں ہوا بھرتے ہیں اور اسے اتنا پھلا دیتے ہیں کہ وہ ان کی آنکھوں کے آگے آ کر ان سے پوری کائنات چھپا لیتا ہے۔

حریت و بندگی کے متعلق

بسا اوقات بندگی حریت کے لبادے میں چھپ جاتی ہے پھر اس کائنات کی انسانی تکالیف سے آزاد ہو کر ذلت و پستی اور کمزوری سے آزاد ہونے اور انسانیت اور اس کے متعلقات سے آزاد ہونے کے مابین ایک بنیادی فرق ہے پہلے کا مطلب ہے کہ ان تمام اسباب سے آزادی جو انسان کے بنائے اور اسے حیوانیت کی بھاری بیڑیوں سے آزاد کرے۔

یہ حریت گری پڑی ہے کیونکہ درحقیقت حیوانی میلانات کی بندگی اور اس کے آگے جھک جانا ہے ان رجحانات کا انسان اپنی ابتداء سے مقابلہ کرتا آ رہا ہے تا کہ اس کی تنگ بیڑیوں سے کھلی انسانی فضاء میں آزادی حاصل کر سکے انسان اپنی ضروریات ظاہر کرنے سے کیوں شرماتا ہے؟ کیونکہ وہ فطرتاً یہ احساس رکھتا ہے کہ ان ضروریات کے باوجود بلندی حاصل کرنا ہی انسانیت کی اولین ترجیحات میں سے ہے اور

اس کی قیود سے آزادی ہی اصل حریت ہے اور کشت وخون کے محرکات پر غلبہ پانا اور ضعف وذلت کے محرکات کو قابو میں کر لینا یہ دونوں ہی انسانیت کے لئے ضروری ہیں۔

اصول اور اشخاص الگ نہیں ہو سکتے

میں ان لوگوں میں سے نہیں جو اصولوں کو اشخاص سے الگ سمجھتے ہوں کیونکہ مضبوط اور کامل عقیدے کے بغیر کوئی اصول ہو ہی نہیں سکتا اور ایسا مضبوط اور کامل عقیدہ انسان کے علاوہ کسی اور کے دل میں کس طرح متصور ہوسکتا ہے؟ اصول وافکار کامل عقیدے کے بغیر محض عبث الفاظ وکلمات کا نام ہے یا زیادہ سے زیادہ نامکمل معانی کا اور ایمانی حرارت جو انسانی دل میں کسی اصول یا فکر کو نہیں مانتے جو عقل سلیم یا قلب ومعنی میں پیدا ہو پہلے آپ اپنی فکر کو مانیں اسے مضبوط اعتقاد کی حد تک تسلیم کریں اس وقت دیگر لوگ اسے مانیں گے وگرنہ وہ صرف صیغے اور الفاظ ہی رہیں گے جو روح اور زندگی سے خالی ہوں اس فکر کی کوئی زندگی نہیں جو انسانی روح کا لبادہ نہ اوڑھے اور نہ ہی وہ روئے زمین پر بشری صورت میں ایک زندہ کی حیثیت سے رینگ سکتی ہے ایسے اس میدان میں ایسا کوئی شخص وجود نہیں رکھتا جس کا دل کسی ایسی فکر سے آباد نہ ہو جسے وہ مانتا ہو فکر اور شخص میں تفریق ایسے ہی ہے جیسے روح اور جسم یا لفظ اور معنی میں عملی تفریق جو بعض اوقات تو محال ہے اور بعض اوقات حلول اور فناء کے معنی میں ہوتی ہے ہر زندہ فکر انسان کا دل چباتی ہے اور جو افکار یہ مقدس غذا نہ لیں وہ مردہ پیدا ہوتی ہیں اور انسان کو ایک بالشت بھی آگے نہیں بڑھاتیں۔

منزل راستے کو درست قرار نہیں دیتی

میں بڑی مشکل سے سوچ پاتا ہوں کہ کیسے ممکن ہے کہ اعلیٰ مقصد تک ہم خسیس راستے کے ذریعے پہنچیں اعلیٰ مقصد اعلیٰ دل میں ہی زندہ رہتا ہے تو اس دل کے لئے کیسے ممکن ہے کہ خسیس ذریعے کو استعمال کر سکے بلکہ ایسا کرنے کی کوشش بھی کرے جب ہم کیچڑ سے گزر کر شاداب اور مبارک کنارے تک جائیں تو کنارے تک پہنچتے پہنچتے ہم کیچڑ میں ضرور لتھڑ جائیں گے راستے کے حالات ہمارے قدموں پر اپنے نشانات ضرور چھوڑے گی یہی حال ہوتا ہے جب ہم خسیس ذریعہ استعمال کرتے ہیں گندگی ہماری ارواح کے ساتھ چمٹ جائے گی ان ارواح پر اپنے آثار مرتب کرے گی جب تک ہم منزل تک پہنچیں گے۔راستہ بھی روح کے حساب میں منزل کا ہی حصہ ہے اور عالم ارواح میں یہ تفریقیں اور تقسیمیں نہیں ہوتیں انسانی شعور جب اعلیٰ مقصد کا احساس کرلے کبھی بھی خسیس راستہ اختیار نہیں کرتا بلکہ اپنے مزاج کے مطابق اسے اختیار کرنے کی کوشش بھی نہیں کرتا منزل راستے کو جائز کر دیتی یہ مغربی حکمت ہے کیونکہ مغرب اپنے ذہن کے بل بوتے پر زندہ ہے اور ذہن منزلوں اور راستوں کے مابین تقسیمات اور تفریقات کا وجود ممکن ہے۔[امریکا سے اپنے ایک دوست کی طرف خط جس میں اس نے سید قطب کو ایک نظریہ لکھا اور اسے قبول کرنے کا مطالبہ کیا۔معلوم ہوتا ہے سید صاحب نے اسے قبول نہیں کیا۔مقالہ ''فی الادب والحیاۃ'' مجلّہ ''الکتاب'' اپریل:ص:951,393۔

روحانی مسرتیں دوسروں کوخوش کر کے حاصل ہوتی ہیں

تجرے سے یہ بات جان لی ہے کہ اس زندگی میں روحانی مسرت جسے ہم محسوس کرسکیں سب سے بڑھ کر اور کچھ بھی نہیں ہے جب ہم اس قابل ہوجائیں کہ تسلی اور رضامندی اور اعتماد وامید اور مسرت کو دوسرے نفوس میں داخل کردیں۔ یہ عجیب آفاقی لذت ہے جو زمین کی کسی شئے میں نہیں یہ خالص سماوی عنصر کی ہماری طبیعت میں ہم آہنگی ہے جو اس کی خارجی جزاء کی طالب نہیں ہوتی کیونکہ اس کی جزاء تو اسی میں پوشیدہ ہے یہاں ایک دوسرا مسئلہ بھی ہے جس میں لوگ بنا سوچے سمجھے داخل ہوجاتے ہیں جبکہ وہ اس کے اہل نہیں ہیں دوسروں کے لئے اچھائی کا اعتراف کرنا میں اس اعتراف میں موجود خوبی کا انکار کرنے کی کوشش نہیں کروں گا اور نہ ہی اس میں موجود عطاء کرنے والوں کی عظیم مسرت کا لیکن یہ سب دیگر شئے ہے یہاں مسئلہ خوشی کا ہے یہ کہ خیر کی بازگشت اور دوسروں کے نفوس میں ظاہر اور قریب ہوتی ہے جبکہ اس خوشی کی قیمت اس کے علاوہ ہے کیونکہ یہ اس دوسری مسرت کا مزاج نہیں جس کا ہم احساس کرپاتے ہیں صرف اس وقت جس وقت ہم اس قابل ہوتے ہیں کہ تسلی، رضامندی، اعتماد، امید، اور مسرت کو دوسروں کے نفوس میں داخل کرپائیں یقین یہی وہ خالص اور پاکیزہ فرحت ہے جو ہمارے نفوس سے پھوٹتی ہے اور انہی کی طرف پلٹ جاتی ہے ہماری ذات کے کسی بھی خارجی عنصر کی ضرورت محسوس کئے بغیر یہی اپنے کامل جزاء کی حامل ہوتی ہے کیونکہ اس کی جزاء اسی میں پوشیدہ ہے۔

کامیابیوں اور غلطیوں پر ایک نظر

میں موت سے زیادہ تیز نہیں دوڑ سکتا جب کہ وہ کسی لمحہ آ جائے میں نے اس زندگی میں بہت کچھ لیا ہے مجھے دیا گیا ہے بعض اوقات لینے اور دیئے جانے میں فرق مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ ان دونوں کا عالم روح میں ایک ہی معنی ہے جب بھی مجھے کچھ دے دیا میرا مطلب یہ ہے کہ میں نے وہ چیز لے لی جو میں دیا گیا کیونکہ جو چیز مجھے دی جائے اس پر میرا خوش ہونا کسی بھی طرح ان لوگوں سے کم نہیں ہوتا جو لیتے ہیں۔

میں موت سے زادہ تیز نہیں دوڑ سکتا جبکہ وہ کسی لمحہ آ جائے میں عمل کیا جس قدر عمل کر سکتا تھا بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن پر میں عمل کرنا چاہتا ہوں اگر میرے لئے زندگی بڑھا دی جائے لیکن جب میں طاقت ہی نہیں رکھوں گا تو حسرت میرا دل نہیں کھائے گی دوسرے لوگ وہ کر گزریں گے جو زندہ رہنے کے قابل ہو وہ کبھی نہیں مرتا میں مطمئن ہو کہ اس عالم پر کی جانے والی عنایت قابل فکر کو مرنے کے لئے نہیں چھوڑے گی۔

میں موت سے زیادہ تیز نہیں دوڑ سکتا جبکہ وہ کسی لمحہ آ جائے۔ میں نے حتی المقدور کوشش کر لی کے بہتر بن جاؤں میں اپنی خطاؤں اور غلطیوں پر نادم ہوں ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں اس کی رحمت وعفوت کی امید رکھتا ہوں اس کے عقاب کی وجہ سے میں بے قرار نہیں میں مطمئن ہوں کہ وہ عقاب بھی برحق ہے عدل پر مبنی سزا وہی ہے میں نے اپنے اعمال کا انجام سہنے کی عادت بنالی ہے اچھے ہوں یا برے .... مجھے یہ بات بری نہیں لگتی کہ روز حساب میں اپنی غلطی کی جزاء پاؤں......!